شامیؒ کہتے ہیں کہ

"لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب چوری یا جل جانے کی وجہ سے کسی کو نقصان پہونچتا ہو تو اس کی تلافی کے لئے وہ مال جمع کرتے ہیں[1]"

پھر اس کے بعد ہے:

ان العاقلۃ یتحملون باعتبار تقصیرھم و ترکھم حفظہ ومراقبتہ لانہ المقاصر لقوتہ بانصارہ فکانوا ھم المقصرون[2]

"عاقلہ" چونکہ حفاظت و نگرانی میں اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتے اور ان سے کوتاہی ہوتی ہے اس بنار پر وہ دیت کا بار برداشت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حالات میں تبدیلی ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس تنظیم کا دائرہ وسیع کرکے ہم پیشہ و ہم مشرب لوگوں کو اس میں شامل کیا۔

والعاقلۃ اھل الدیوان ان کان القاتل من اھل الدیوان یوخذ من عطایاھم فی ثلث سنین[3]

اگر قاتل اہل دیوان سے ہے تو عاقلہ اہل دیوان ہوگا تین سال کی مدت میں ان کے وظیفہ سے دیت وصول کی جائے گی۔

اہل دیوان ایک محکمہ یا شعبہ کے وہ لوگ جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے۔

سرخسی نے اس تبدیلی پر یہ رائے ظاہر کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ مدد خاندان و قبیلہ کے ذریعہ ہوتی تھی اس لئے آپ نے دیت کی ذمہ داری ان پر ڈالی لیکن حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام قائم کیا تو یہ مدد اہل دفاتر سے متعلق ہوگئی اس بنار پر اب دیت کی ذمہ داری ان پر ہوگئی[4]

---

[1] ردالمحتار
[2] ردالمحتار
[3] ہدایہ جلد ۴ کتاب المعاقل
[4] ایضاً

یہ مدد اگر یونین، انجمن یا کسی جدید تنظیم سے وابستہ کردی جائے تو عاقلہ میں ان سب کو شامل کرنے کی گنجائش ہوگی۔

ولو کانت عاقلۃ الرجل اصحاب الرزق یقضی بالدیۃ فی اعطیاتہم فی ثلاث سنین [۱]۔	اگر کسی کے عاقلہ وہ فقراء و مساکین ہوں جن کے وظیفے مقرر ہیں تو تین سال میں ان کے وظیفوں سے دیت وصول کی جائے۔

دوسری جگہ ہے:

لو کان الیوم تناصرھم بالحرف فعاقلتھم اھل الحرفۃ [۲]	اگر آج ہم پیشہ لوگوں کے ذریعہ مدد ہو تو عاقلہ ہم پیشہ لوگ قرار پائیں گے۔

(باقی)

---

[۱] ہدایہ جلد ۴ کتاب المعاقل [۲] ایضاً

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی سال ۱۹۶۹ء

ندوۃ المصنفین دہلی کی سالانہ مطبوعات عام طور پر دسمبر میں آجایا کرتی ہیں اس سال قدرے تاخیر ہونے کے باعث مارچ کے آخر میں پریس سے مکمل ہو کر آئی ہیں

تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم		۱۶/۰۰
تاریخ الفخری	ترجمہ مولانا محمود علی خاں صاحب	۱۲/۰۰
حیات ذاکر حسین خاں		۸/۰۰
دین الٰہی اور اس کا پس منظر	از محمد اسلم صاحب	۷/۰۰

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

عہد بابری کی علمی سرگرمیاں

(۲)

جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے، ایل ایل بی، بی ٹی ایچ، سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش

(۵) ہرات میں علمی روایات کا تسلسل

مگر دار العلم شیراز سے کہیں بڑھ کر دانش کدہ ہرات بنا ہوا تھا جسے پہلے کرت خاندان کے حکمرانوں نے اور پھر تیموری تاجداروں کی علم دوستی و فضل نوازی نے قبۃ الاسلام بنا دیا تھا۔

تیموری تاجداروں میں سے ہرات کی علمی ترقی میں سب سے زیادہ حصہ سلطان حسین مرزا نے لیا۔ چنانچہ حسن روملو نے اُس کے بارے میں لکھا ہے:

"بادشاہ عالم و عادل، و عاقل و کریم و رعیت پرور بود و علماء را تعظیم و اعزاز بغایت نمودے از جہت ایشاں مدرسہ در ہرات ساختہ کہ مثل او در عالم نیست۔ موازی دہ ہزار طالب علم در زمان سلطنت او موظف بودند در ہرات و مجلس او اکثر اوقات بہ بحث علم و ذکر شعر می گزشت۔" (احسن التواریخ صفحہ ۸۹)

بابر کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ وہ اپنی "تزک" میں لکھتا ہے:

"زمان سلطان حسین مرزا عجب زمانے بود۔ از اہل فضل مردم بے نظیر خراسان بہ خصوص شہر ہری مملو بود۔ ہر کس بہر کارے کہ مشغول بود، ہمت و غرض او آں بود کہ ہر کار را بکمال رساند۔" (بابر نامہ صفحہ ۱۱۲)

ہرات کے اس زمانہ کے مشہور علماء میں قاضی نظام الدین محمد (المتوفی ۹۰۰ھ) مولانا کمال الدین مسعود شروانی (المتوفی ۹۰۵ھ) مولانا عبدالجمیل (المتوفی ۹۱۱ھ) قاضی شمس الدین عبداللہ امامی، مولانا شمس الدین محمد اسفرائنی (المتوفی ۹۰۰ھ) مولانا شمس الدین محمد بن مولانا شرف الدین عثمان (المتوفی ۹۰۱ھ) جو مولانا زادہ عثمان کے نام سے مشہور تھے، مولانا برہان الدین عطاء اللہ رازی (المتوفی ۹۰۲ھ) مولانا خلیل اللہ ولد مولانا فاضل سمرقندی، شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد (المتوفی ۹۱۶ھ) امیر صدر الدین ابراہیم مشہدی (المتوفی ۹۱۹ھ) امیر برہان الدین عطاء اللہ (المتوفی ۹۱۹ھ) امیر نظام الدین عبدالقادر (المتوفی ۹۲۵ھ) امیر رضی الدین عبدالاول (المتوفی ۹۲۷ھ) مولانا صدر الدین محمد، امیر جمال الدین محدث اور ان کے صاحبزادے امیر نسیم الدین محمد، مولانا شمس الدین محمد حنفی وغیرہم تھے۔ ان میں سے مولانا کمال الدین مسعود شروانی، الموما زادہ مولانا عثمان، شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد اور امیر جمال الدین محدث خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا کمال الدین مسعود شروانیؒ پہلے مدرسہ گوہر شاد بیگم اور مدرسہ اخلاصیہ میں مدرس تھے بمولانا نظام الدین محمد کی وفات (۹۰۰ھ) کے بعد مدرسہ غیاثیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے جہاں کی صدارت کے لئے یہ شرط تھی کہ وہاں صرف خراسان کا "اَعلم العلماء" ہی صدر مقرر کیا جائے۔ اُن کے تقرر کے دن بڑا شاندار جلسہ منعقد کیا گیا جس میں امیر نظام الدین کے علاوہ ہرات کے علمائے عظام و سادات کرام بھی شریک تھے۔ یہاں مولانا نے آیت کریمہ "اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" پر تقریر کی جس کا مقصد خراسان کے دانشمندوں کے مقابلے میں اپنا استحقاق صدارت ثابت کرنا تھا۔ صاحب "حبیب السیر" نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"سالہا در مدرسہ مہد علیا گوہر شاد آغا و مدرسہ اخلاصیہ مقرب حضرت السلطانیہ بدرس و افادہ اشتغال داشت۔ و بعد از فوت قاضی نظام الدین ترک تدریس مدرسہ گوہر شاد بیگم دادہ در مدرسہ غیاثیہ علم افادت برافراشت۔ و در روزیکہ آنجناب را دراں مدرسہ

اجلاس کردند، امیر نظام الدین علی شیر و تمامی سادات و علمار دار السلطنۃ ہراۃ مجتمع گشتند۔ وچوں یکے از شروط وقفیہ آں مدرسہ آن ست کہ اعلم علمائے خراسان در انجا مدرس باشد، دراں روز مولانا کمال مسعود قصد تعریض دانشمندان خراسان کردہ آیت اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ را درس گفت۔ وآں مقدار نکات بدیعہ ومعانی شریفہ ادا فرمود کہ موجب تحسین و آفرین ہمگناں گشت" (حبیب السیر، جزو سیم، جلد سیم صفحہ ۲۴۰)

مولانا کمال الدین مسعود خصوصیت سے علوم عقلیہ میں سر آمد فضلائے روزگار تھے، چنانچہ صاحب "حبیب السیر" لکھتے ہیں:

"مولانا کمال الدین مسعود شروانی در علم کلام ومنطق وحکمیات اعلم علمائے زمان خود بود۔ ودر سایہ علوم معقول ومنقول کمال وقت ولطف طبع ظاہر می نمود...... از آثار قلم فادت رقمش حاشیہ شرح حکمۃ العین وبعضے دیگر از رسائل در میان طلبہ مشہور است" (ایضاً)

یہی مورخ مولانا زادہ مولانا عثمان کے بارے میں لکھتا ہے:

"مولانا شمس الدین محمد بن مولانا شرف الدین عثمان در جمیع اقسام علوم معقول وتمامی فنون مفہوم ومنقول سر آمد علمار ماوراء النہر بلکہ مقتدائے فضلائے ہر شہر بود........ سالہا در مدرسہ شریفہ سلطانیہ ومدرسہ اخلاصیہ بنشر فوائد علمیہ ودرس مسائل دینیہ مشغولی می فرمود وآنجناب........ بمولانا زادہ مولانا عثمان اشتہار دارد۔"

خود بابر ان کے علم وفضل سے متاثر تھا، چنانچہ "تزک" میں لکھتا ہے:

"دیگر ملازادہ ملا عثمان بود.... چوں الغ بیگ مرزا در سن چہاردہ سالگی درس می گفتہ ملائے مادر زاد می گفتہ اند...... دانشمند کسے بودہ است۔ دراں زماں برابر او دانشمند کسے نبود۔ می گویند کہ بمرتبۂ اجتہاد رسیدہ بود، ولے اجتہاد نکردہ" (بابر نامہ صفحہ ۱۱۳)

شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد علامہ تفتازانی کے پرپوتے تھے۔ علوم شرعیہ میں دستگاہ عالی رکھتے تھے۔ علم ظاہری کے علاوہ زہد وورع اور امانت ودیانت کے ساتھ متصف تھے۔

ہرات کی شیخ الاسلامی خاندانی ورثہ میں پائی تھی۔ تیس سال اس منصب جلیل پر فائز رہے، تاآنکہ ۹۱۶ھ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کی سنی کشی کا شکار ہو کر شہید ہوئے۔ صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"شیخ الاسلام امجد مولانا سیف الدین احمد علامہ عصر عالم وملاذ علمائے بنی آدم بود۔ بغایت امانت ودیانتداری موصوف وبنہایت دیانت وپرہیزگاری معروف۔ در علم تفسیر وحدیث وفقہ بے شبہ وبدل ودر سایر فنون عقلی ونقلی از اکثر علمار زمان افضل۔ وآنجناب بعد از فوت والد ماجد خود مولانا قطب الدین یحییٰ بن مولانا محمد بن مولانا سعد الملۃ والدین مسعود التفتازانی در امر شیخ الاسلامی دخل کرد وقرب سی سال در خطۂ خراسان لوازم تقویت شریعت مطہرہ بجائے آورد۔ ودر ماہ رمضان سنہ ست عشر وتسعمایہ ...... کشتہ بعالم آخرت شتافت۔"

حسن روملو نے بھی ۹۱۶ھ کے واقعات میں لکھا ہے:

"شیخ الاسلام ہراتی در علم تفسیر وحدیث وفقہ فرید عصر خود وقرب سی سال در زمان سلطان حسین مرزا در خراسان شیخ الاسلام بود۔ در ماہ رمضان بفرمان خاقان اسکندر شان بواسطہ تسنن کشتہ شد" (احسن التواریخ صفحہ ۱۲۴)

بابر بھی اُن سے بہت زیادہ متاثر تھا، چنانچہ لکھتا ہے:

"دیگر شیخ الاسلام سیف الدین احمد بود از نسل ملا سعد الدین تفتازانی است۔ از دایں طرف در ممالک خراسان شیخ الاسلام شدہ آمدہ اند۔ بسیار دانشمند کسے بود۔ علوم عربیہ وعلوم نقلیہ را خوب می دانست۔ بسیار متقی ومتدین کسے بود۔ اگرچہ شافعی بود، ہمہ مذاہب را رعایت می کرد۔ می گویند کہ ہفتاد سال نزدیک بودہ کہ نماز جماعت ترک نمی کرد۔ شاہ اسمٰعیل صفوی در گرفتن ہری اورا از دست یکے از قزلباش شہید کردہ" (بابر نامہ صفحہ ۱۱۳)

میر جمال الدین محدث کے بارے میں صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"امیر جمال الدین عطاء اللہ سلمہ اللہ وابقاہ سدہ سنیہ اش ملاذ طوائف اکابر واشراف

ایام است وعقبہ علیہ اش مجمع اعاظم اولاد امجاد خیر الانام ۔ لوح ضمیر مہر تنویرش مطرح اشعہ انوار اسرار کتب الہٰی وصحیفہ خاطر عالی مآثرش مہبط لوامع حقائق اخبار حضرت رسالت پناہی ۔ ۔ ۔ ۔ کشاف اسرار معالم تنزیل وطبع کشائش علاّل معضلات مواقف تاویل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وآنحضرت مانند عم بزرگوار خویش امیر سید اصیل الدین در علم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ اند و در سایر اقسام علوم دینیہ وانواع فنون یقینیہ از محدثان باستحقاق در گزشتہ اند ۔ چند سال در مدرسہ شریفہ سلطانیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و در خانقاہ اخلاصیہ بدرس وافادہ اشتغال می داشتند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اما حالا بنابر حُبّ عزلت وگوشہ نشینی بامثال ایں اُمور التفات نمی نمایند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ از مولفات فصاحت صفات حضرت نقابت منقبت روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبی والآل والاصحاب در اقطار آفاق اشتہار دارد (حبیب السیر جز وسیم جلد سیم صفحہ ۳۴۸)

بابر بھی ان کی حدیث دانی کی تعریف میں رطب اللسان ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

دیگر میر جمال الدین محدث بود ۔ در خراسان دانائے علم حدیث مثل او نبود ۔ خیلے معمر بود ۔ تاایں تاریخ زندہ بود ۔ (بابر نامہ صفحہ ۱۱۳)

میر جمال الدین محدث کی "روضۃ الاحباب" کے کچھ ابواب بدایونی کے زمانہ میں قیل وقال کا موضوع بن گئے تھے۔

(۷) خراسان وماوراء النہر کے دیگر علماء

ہرات کے ان علماء کے علاوہ اور بھی فضلائے سامی منزلت تھے جو صفویوں کی سنت بیزاری اور چیرہ دستیوں سے تنگ آکر دوسرے شہروں میں چلے گئے تھے جیسے امیر صدر الدین یونس الحسینی اور مولانا فصیح الدین محمد نظامی جو بلخ چلے گئے تھے، میر مرتاض، مولانا زادہ ابہری، مولانا نور الدین محمد زیارت گاہی، شیخ نور الدین محمد، مولانا زین الدین محمود جو قندھار اور کابل چلے گئے تھے، مولانا قاسم علی سیستانی، مولانا شمس الدین بردعی آذربایجان اور مولانا عصام الدین اسفرائنی بخارا چلے گئے تھے۔

ان میں مولانا فصیح الدین محمد نظامی، میر مرتاض، مولانا زادہ ابہری اور مولانا عصام الدین ابراہیم اسفرائنی اپنے تبحر فی المعقولات کی بناپر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا فصیح الدین نظامی کے بارے میں صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"مولانا فصیح الدین محمد نظامی بہ جمال حالش بعلو نسب و تبحر در علوم معقول و منقول آراستہ بود و در فن ریاضی و حکمیات سرآمد افاضل دوران می نمود۔ طبع سلیمش مدرک خفیات مولفات علمار مدققین و ذہن مستقیمش مظہر مخزونات مصنفات فضلار متاخرین۔ و مقرب حضرت سلطانی، اکثر متداولات را در شاگردی مولانا فصیح الدین مطالعہ کرد و ازاں جہت آنجناب را باخوند تعبیر نمودہ شرائط تعظیم و تکریمش بجامی آورد...... از نتائج طبع بلاغت آئین مولانا فصیح الدین حاشیہ ہدایہ حکمت و حاشیہ تذکرہ و شرح اربعین امام نووی و شرح مائتہ عامل و حواشی مختصر و مطول وغیرہا سابقا در میان فضلار مشہور بود و طلبہ را از مطالعہ آں رسائل فائدہ تمام روئے می نمود۔" (حبیب السیر جزو سیم جلد سیم صفحہ ۳۴۵)

یہی مورخ میر مرتاض کے بارے میں لکھتا ہے:

"امیر مرتاض: در علم و حکمت و ریاضی بے شبہ و نظیر بود۔ و در سایر علوم بر بسیارے از دانشمندان زمان دعوی تفوق می نمود۔ و بصیام دہر روزگار می گزرانید۔...... امیر مرتاض بسبب تعصب تسنن از ہراۃ بطرف قندھار شتافت و ہمدراں ولایت وفات یافت۔"

(ایضاً صفحہ ۳۴۳)

بابر بھی ان کی علمیت اور زہد و ورع سے متاثر تھا، چنانچہ لکھتا ہے:

"دیگر میر مرتاض بودہ۔ حکمیات و معقولات را خوب می دانست۔ ازاں جہت بایں لقب ملقب شدہ کہ بسیار روزہ می گرفتہ۔" (بابر نامہ صفحہ ۱۱۳)

مولانا زادہ ابہری علوم دینیہ میں کمال رکھتے تھے۔ آن کے بارے میں صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"خواجہ عماد الدین عبد العزیز المشتہر بمولانا زادہ ابہری: عالمے متبحر بود و در علم حدیث و فقہ حنفی و شافعی اظہار مہارت می نمود۔ و در زمان خاقان منصور بنام امیر نظام الدین علی شیر مشکوٰۃ را شرح نوشت ...... درہماں سال کہ امیر مرتاض از ہراۃ بجانب قندھار رفت، مولانا زادہ نیز راہ ہند پیش گرفت۔" (حبیب السیر جزو سیم جلد سیم صفحہ ۳۴۳)

مولانا عصام الدین اسفرائنی کی شخصیت اس حیثیت سے اور بھی قابل ذکر ہے کہ اُن کے بہت سے شاگردوں نے اس ملک میں آکر معقولات کی تعلیم کو ترقی دی۔ اُن کے بارے میں "حبیب السیر" میں لکھا ہے:

"مولانا عصام الدین ابراہیم بلطف طبع و حدت ذہن و تکمیل علوم محسوس و معقول و مہارت در فنون مفہوم و منقول سرآمد فضلائے عالی شان است ...... در ماہ رجب ست و عشرین لواسطہ حدوث بعضے از امور کہ تحریر آں مناسب بسیاق تاریخ نیست، از دار السلطنۃ ہراۃ بجانب بخارا شتافت و حالا در آں ولایت متوطن است و از وفور انعام و احسان عبید اللہ خاں محظوظ و بہرہ مند می گردد (ایضاً صفحہ ۳۴۵)

لیکن مولانا عصام الدین بخارا میں بھی چین سے نہ رہ سکے۔ ان کے شاگردوں کی "تمنطق بازی" سے شہر کا امن خطرہ میں پڑگیا۔ فقہاء کو منطق کی حرمت میں شدید ترین فتاویٰ دینے پڑے اور آخر کار جو عبید اللہ خاں اُن کا مربی و سرپرست اور قدردان تھا، اسی عبید اللہ خاں نے اُنھیں اور اُن کے شاگردوں کو بڑی ذلت و رسوائی سے نکالا۔ بدایونی نے لکھا ہے:

"باعث بر انداختن عبید اللہ خاں بادشاہ توران زمین فن منطق و علم جدل را و اخراج ملا عصام الدین اسفرائنی مع خبائث طلبہ از ماوراء النہر او شدہ بود۔ بایں تقریب کہ چوں ایں علم در بخارا و سمرقند شایع شد، خبائث شریر ہر جا سلیم القلبے را می دیدند می گفتند کہ ایں حمار است چراکہ لاحیوان از سلوب است و چوں انتفاء عام مستلزم انتفاء خاص است، سلب الانسانیت نیز لازم می آیدہ و امثال ایں مغالطات چوں کثیر الوقوع و الشیوع شد، عزیزان روایت فقہی نوشتہ

عبید اللہ خاں را تحریص و ترغیب براخراج ایں جماعہ نمود و نامشروعیت تعلیم و تعلّم منطق و فلسفہ بدلائل ثابت گردانید و نیز روایتے نمود کہ اگر بکاغذیکہ منطق دراں نوشتہ باشد، استنجا نمایند باکے نیست و باقی برایں قیاس ۔“ (منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ)

ہندوستان میں بھی اُن کے متعدد شاگرد بالخصوص عہد اکبری میں آئے جیسے مولانا سعید ترکستانی، حافظ کومکی، قاضی نظام بدخشی وغیرہم ۔

(۷) قدیم ہندوستانی مقامی علمار

ہندوستان ہمیشہ سے علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے، بالخصوص شہر دہلی التتمش کے زمانہ سے قبۃ الاسلام اور رشک بغداد و قاہرہ بن گیا تھا ۔ مگر پہلے تو محمد تغلق کی علمار کُشی نے اور پھر تیمور کے حملہ نے اہل فضل و کمال کو اس شہر سے ترک وطن پر مجبور کر دیا البتہ جب نویں صدی ہجری میں لودی خاندان برسر اقتدار آیا تو انھوں نے تسبیح کے ان منتشر دانوں کو از سر نو مجتمع کرنا شروع کیا۔ اس خاندان میں سکندر لودی خصوصیت سے علمی سرپرستی کے لئے مشہور ہے چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:

”چوں سلطان باستماع مذاکرہ علمی رغبت تمام داشت، علمائے نامی را از ہر طرف طلبیدہ : میاں قادر بن شیخ جو لو و میاں عبد اللہ بن الہداد طلبنی و سید محمد بن سعید خاں از دہلی و ملا قطب الدین و ملا صالح و ملا الہداد از سرہند و سید امان و میران سید اخی از قنوج آمدند۔ و جمعے از علمار کہ ہمیشہ ہمراہ سلطان می بودند مثل سید صدر الدین قنوجی و میاں عبد الرحمٰن ساکن سیکری و میاں عزیز اللہ سنبھلی ۔“ (تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۸۷)

سلطان سکندر لودی نے ۹۲۵ھ میں وفات پائی ۔ سات سال بعد بابر نے حملہ کر کے مغل سلطنت قائم کی اور ۹۳۷ھ میں چار پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا ۔ سکندر لودی کے عہد کے اکثر علمائے عظام اس بارہ سال کے عرصہ میں یقیناً ملک کے اندر موجود رہے ہوں گے ۔ مگر کچھ تو سیاسی انتشار سے گوشہ نشین ہو گئے اور کچھ نو وارد علمار کی وجہ سے، جو فاتحین کی

طرح مقامی باکمالوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، غیر معروف ہو گئے۔

بہر حال عہد سکندر لودی کے مشہور عالم دو تھے جنھوں نے خصوصیت سے اس دیار میں معقولات کی تعلیم کو رواج دیا تھا: مولانا عبداللہ طلبنی اور شیخ عزیز اللہ طلبنی۔ ان دونوں کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے:

"از جملہ علمائے کبار در زمان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ طلبنی در سنبھل بودند و ایں ہر دو عزیز ہنگام خرابیٔ ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند۔"

(منتخب التواریخ جلد اول صفحہ)

بدایونی نے آگے چل کر لکھا ہے کہ مولانا عبداللہ کے فیض تربیت سے جو کثیر التعداد طلبہ درجۂ کمال کو پہونچے، ان میں سے کم و بیش چالیس ممتاز افراد تھے۔

"و از استادان شنیدہ شد کہ زیادہ از چہل عالم تحریر متبحر از پائے دامن شیخ عبداللہ مثل میاں لاڈن و جمال خاں دہلوی و میاں شیخ گوالیری و میران سید جلال بدایونی برخاستہ اند۔"

(منتخب التواریخ جلد اول صفحہ)

ان کے علاوہ اور بھی علمائے تحریر تھے۔ اس طرح اس عہد کے علماء کی فہرست بڑی طویل ہو جاتی ہے، جن میں سے مشاہیر حسب ذیل تھے:

۱۔ میاں قادر بن شیخ خواجو	۲۔ میاں عبداللہ بن الہداد طلبنی
۳۔ سید محمد بن سعید خاں دہلوی	۴۔ ملا قطب الدین
۵۔ ملا الہداد سرہندی	۶۔ ملا صالح سرہندی
۷۔ سید امان	۸۔ میران سید اخی
۹۔ سید صدر الدین قنوجی	۱۰۔ میاں عبدالرحمٰن ساکن سیکری
۱۱۔ میاں عزیز اللہ سنبھلی	۱۲۔ شیخ بہار الدین دہلوی
۱۳۔ میاں بھووہ	۱۴۔ شیخ جمالی کنبوہ

۱۵۔ میاں جمال ۱۶۔ میاں لاڈن

۱۷۔ شیخ الہدیہ جونپوری ۱۸۔ مولانا بھکاری

۱۹۔ شیخ محمد غوث گوالیری ۲۰۔ میاں حاتم سنبھلی

(ج) عہد بابری کے درباری علمار

بابر صرف رزم آراؤں ہی کی فوج اپنے ہمراہ لے کر نہیں آیا تھا، بلکہ خراسان کے علمائے تحریکی ایک جماعت بھی اُس کے ہمراہ تھی۔ ہندوستان آنے سے پہلے ہی اُس کا دربار اہل کمال کا مجمع بن گیا تھا۔ چنانچہ ہرات کے مشاہیر فضلار میں سے شیخ نورالدین محمد ۹۲۶ھ میں پہلے قندھار اور پھر کابل پہونچے جہاں بابر نے ہر طرح اُن کی قدر افزائی فرمائی۔ صاحب "حبیب السیر" ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شیخ نورالدین محمد: در سلک احفاد قطب سپہر ہدایت شیخ زین الدین خوانی منتظم بود و مشار الیہ بمزید تقوی و فضل و کمال، از علمار ستودہ خصال ممتاز و مستثنیٰ می نمود۔ از غایت حدت طبع وجودت ذہن در اوائل ایام شباب از تحصیل علوم فراغت یافت و آغاز درس و افادہ کردہ پرتو انوار ضمیر دانش پذیرش بر صفحات احوال طلبۂ علوم تافت۔ گوش ہوش تلامذہ از نتائج بحر خاطر فضائل مآثرش بلآلی نکات دقیقہ وجواہر دقائق انیقہ گرانبار گشت۔ و پایہ قدر و منزلتش در سلوک طریق زہد و تقویٰ و تبحر در فنون درس و فتویٰ از امثال و اقران در گزشت۔ و آنجناب مدتے مدید در زمان خجستہ نشان خاقان منصور و شیبانی خان در بقاع تقاع بلدۂ فاخرہ ہرات بہ منصب تدریس منصوب بود۔ و در آوان دولت شاہی بنا بر تعصب مذہب تسنن زبان حقائق بیان از قیل وقال بستہ ابواب سفر بر روئے روزگار ہدایت آثار کشود۔ در اوائل سنہ ستہ عشرین وتسعمایہ از وطن مالوف و مسکن معہود یعنی دار السلطنۃ ہراۃ مسلک طریق مسافرت اختیار نمود و بصوب ولایت گرمسیر و قندھار شتافت و شرف ملازمت حضرت

خلافت پناہ ظہیر السلطنۃ والخلافہ محمد بابر پادشاہ دریافت وچندگاہ درظل عاطفت آں پادشاہ عالیجاہ بموجب دلخواہ اوقات گزرانید وفی جمادی الاخری سنہ ثمان وعشرین وتسعمایہ دربلدۂ کابل بعالم آخرت خرامید۔" (حبیب السیر جزو سیم جلد سیم صفحہ ۳۴۷)

شیخ نورالدین محمد کے برادر ارشد شیخ زین تھے جو بابر کے بڑے معتمد علیہ تھے۔ صاحب "حبیب السیر" نے آگے چل کر لکھا ہے:

"وحالا برادر ارشدش شیخ زین کہ از اقسام فنون بہرہ مند است واز حیثیت لطف طبع وحسن خلق ولطافت گفتار ومحاسن کردار بے شبہ ومانند دراں آستان معدلت آشیان بسر می برد۔ ومنظور نظر الطاف پادشاہانہ بودہ درسر انجام مہام فرق انام سعی واہتمام مبذول می دارد۔ ودر انجاح ملتمسات خواص وعوام لوازم اجتہاد ظاہر ساختہ، تخم محبت در فضار خاطر می گمارد۔ عطیہ کف بازلش چوں پرتو نور آفتاب شامل حال شیخ وشاب وگنجینۂ دل بحرآثارش مخزن دقائق مولفات اولوالالباب۔" (ایضاً)

شیخ زین کے فضل وکمال کے بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے:

"واز اجلہ اہل صحبت وارباب خرد واصحاب کمال .... دیگر شیخ زین صدر نبیرہ شیخ زین الدین خوافی بدو واسطہ۔ علوم متعارفہ ورزیدہ بود وحدت طبع داشت واز نظم وانشا آگاہ بود وبدوام صحبت آنحضرت امتیاز داشت۔"

اسی طرح بدایونی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"واز جملہ فضلائے زمانہ او شیخ زین خافی است کہ واقعات بابری را کہ آں پادشاہ مغفور نوشتہ بعبارت بلیغ ترجمہ کرد۔ وایں شعر از وست:

آرمیدی برقیباں ورمیدی از ما — ماچہ کردیم وچہ دیدی وشنیدی از ما
بہر دل بردن ما حاجت بیداد نبود — می سپردیم اگر می طلبیدی از ما

بس کہ گشتم تنگدل در آرزوئے آں دہن   تنگ شد بر جان من راہ بروں رفتن زمن

ہست شعر من ز عقل و نقل خواہم بشنود   جامع المعقول والمنقول مولانا حسن

شیخ زین بابر کے عہد حکومت میں صدر کے عہدہ پر مامور رہے۔ ابراہیم لودی کے قتل کے بعد شیخ زین ہی نے دہلی کی جامع مسجد میں، بابر کے نام کا خطبہ پڑھا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

"وفردوس مکانی نیز از عقب روز سہ شنبہ دوازدہم شہر رجب بدہلی تشریف آورد۔ چنانچہ روز جمعہ شیخ زین صدر بالائے منبر خطبہ بنام نامی آں بادشاہ کشور کشا خواند۔"

(تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۰۵)

رانا سانگا سے جب معرکہ درپیش ہوا اور بابر تمام ملاہی وملاعب اور غیر شرعی مراسم ومحاصل سے دستبردار ہوا اور ممالک محروسہ میں "بخشش تمغا" کا فرمان نافذ کیا تو اس فرمان کو شیخ زین ہی نے مرتب کیا تھا۔ بابر خود لکھتا ہے:

"پیشتر ازیں نیت کردہ بودم کہ بر رانا سنگا ئے کافر ظفر یابم تمغا بہ مسلمانان بخشم.......

منشیاں را فرمودم کہ ایں دو امر عظیم الشان کہ واقع شدہ بجہت اخبار اینہا فرمانہا بنویسید۔

بانشائے شیخ زین فرمانہا نوشتہ شدہ بجمیع قلمرو فرستادہ شد۔" (بابر نامہ صفحہ ۲۰۷)

شیخ زین نے آگرہ میں ایک مسجد اور مدرسہ بھی قائم کیا تھا اور وفات کے بعد اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔ بدایونی نے لکھا ہے:

زین الدین خوافی ...... در ہندوستان صدر مستقل بابر بادشاہ بود واو را مسجدے است در آگرہ ومدرسہ کہ آں طرف آب جو واقع شدہ وصاحب کمالات صوری و معنوی است ودر معما۔ وتاریخ در بدیہہ یافتن وشعر وسائر جزئیات نظم وانشائے قرین زمان خود بود۔"

بقول بدایونی شیخ زین نے ۹۴۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اُن کے بقول شیخ زین کا تخلص وفائی تھا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

"و او تاریخے نوشتہ مشتمل بر فتح ہندوستان و شرح غرائب آں و داد سخنوری دراں داده"

مگر غالباً یہ کوئی مستقل تاریخ نہیں تھی، بلکہ "تزک بابری" (بابرنامہ) کا ترجمہ تھا جو "واقعات بابری" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ زین کو فی البدیہہ تاریخ نکالنے میں ید طولیٰ حاصل تھا، چنانچہ دیبالپور کی فتح کی تاریخ "وسط شہر ربیع الاول" سے نکالی تھی اور رانگا سانگا کے مقابلہ میں بابر کی فتح کی تاریخ "فتح بادشاہ اسلام" سے نکالی تھی۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں مرتبہ انھیں میر گیسو کے ساتھ توارد ہوا کیونکہ موخرالذکر نے بھی یہی تاریخیں نکالی تھیں۔

دیگر افاضل دربار میں خوندمیر مورخ، مولانا شہاب معمائی اور مولانا یوسفی قابل ذکر ہیں۔

خواندمیر (غیاث الدین محمد بن خواجہ ہمام الدین) مشہور مورخ میر خوند (صاحب "روضۃ الصفا") کے نواسے تھے۔ ۸۸۰ھ کے قریب ہرات میں پیدا ہوئے۔ کچھ تو نانا کے علمی ورثہ کی پاسداری اور کچھ افتاد طبع کے تقاضے، شروع ہی سے انھیں تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ یہ سلطان حسین مرزا اور اُس کے علم دوست وزیر میر علی شیر نوائی کا زمانہ تھا۔ دربار ہرات میں بلائے گئے جہاں بڑی قدر ہوئی اور خواندمیر نے سلطان حسین مرزا کے نام پر اپنی پہلی تصنیف "ماثر الملوک" معنون کی۔ لیکن سب سے زیادہ شہرت ان کی "حبیب السیر" کو ہوئی جو "روضۃ الصفا" کے ساتھ تاریخ کی ادبیات عالیہ میں محسوب ہوتی ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ انھوں نے تقریباً دس کتابیں اور لکھیں، جن میں "قانون ہمایونی" اور "دستور الوزراء" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

خواندمیر ۹۳۴ھ میں بابر کی طلب پر ہندوستان روانہ ہوئے اور ۹۳۵ھ میں جمعہ سوم محرم الحرام کو بابر کی خدمت میں باریابی کا موقع ملا۔ بابر لکھتا ہے:

"روز جمعہ سیوم محرم (۹۳۵ھ) ...... صباح آں خواندمیر مورخ و مولانا شہاب الدین معمائی و میر ابراہیم قانونی ...... از ہری برآمده بودند۔ آمده ملازمت کردند۔"

(بابرنامہ صفحہ ۲۱۲)

ابوالفضل اُن کے (خواندمیر کے) بارے میں لکھتا ہے:

"دیگر خواندمیر مورخ: وا و فاضل دخوش صحبت بود و تصانیف مشہور چوں تاریخ حبیب السیر وخلاصۃ الاخبار و دستور الوزراء وغیرہ وارد۔" (اکبرنامہ جلد اول صفحہ ۱۱۹)

بابر کی وفات کے بعد خواندمیر کا باقی زمانہ ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں بسر ہوا اور انھوں نے مرض پیچش کے اندر ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔

مولانا شہاب الدین معمائی کے بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے:

"دیگر مولانا شہاب معمائی: حقیری تخلص، از علم وفضل وشعر نصیبہ وافر داشت۔"

(اکبرنامہ جلد اول صفحہ ۱۱۹)

لیکن مولانا شہاب معمائی کی سخن سنجی بالخصوص اُن کی معمانویسی نے اُن کے دیگر علمی کمالات کو نظر سے اوجھل کر دیا ہے۔ بدایونی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"دیگر مولانا شہاب الدین معمائی است کہ فضیلت جزئی معما فضائل کلی علمی اورا پوشیدہ۔"

چنانچہ جس زمانہ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کی جانب سے درمیش خاں خراسان کا حاکم تھا، ایک دن میر جمال الدین محدث وعظ کے اندر آیت کریمہ

"اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔"

اور اُس حدیث صحیح کے مابین جس میں ارشاد نبوی ہوا ہے کہ خلاق عالم نے دنیا کی تخلیق سات دن میں کی تھی، ان دونوں منصوصات کے مابین جو ظاہری منافات ہے اُسے دو طرح سے مندفع فرما رہے تھے۔ مولانا شہاب الدین بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے ان دو وجوہ اندفاع کے علاوہ اور کئی معقول وجوہ اس منافاۃ کے دفع کرنے کے سلسلے میں مزید بیان فرمائیں اور اس باب میں ایک مستقل رسالہ مرتب فرمایا، جس کی عظمت سے متاثر ہو کر فضلاء وقت نے اُس پر توقیعیں تحریر کیں۔

چنانچہ بدایونی نے آگے چل کر لکھا ہے:

"در زمانے کہ درمیش خاں از جانب شاہ اسمٰعیل صفوی حسینی بحکومت خراسان منصوب

شدہ، قدوۃ المحدثین میر جمال الدین محدث رونے ندوقت وعظ دفع منافات ظاہری میان
کریمہ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ و آں حدیث صحیح
کہ خلق عالم در ہفت روز کردہ، بدو وجہ نمودند۔ و مولانا شہاب الدین دفع آں کردہ
وجہ وجیہے چند در تطبیق آوردہ رسالہ دریں باب نوشتہ و فضلائے عصر توقیعات
برآں ثبت کردند" (منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۲۳)

اس رسالہ کو بدایونی نے بھی دیکھا تھا اور اس کی تعریف میں ایک رباعی بھی لکھی تھی، چنانچہ
فرماتے ہیں:

• "و جامع اوراق نیز بتقریبے کلمہ چند نظم و نثر نوشتہ۔ و ایں رباعی ازاں جملہ فقرات:

ایں نسخہ کہ آمد است چوں سحر حلال — نظم و نثرش پاک تر از آبِ زلال
نورے است از انوار شہاب ثاقب — کز منقبتش زبان فکرت شدہ لال"

مولانا یوسفی طبیب کی حذاقت کے بارے میں ابو الفضل لکھتا ہے:

"دیگر مولانا یوسفی طبیب او را از خراسان طلب فرمودند۔ در مکارم اخلاق و میمنت دست
و مزید توجہ ممتاز بودند۔"

دیگر شعراء و اہل سخن میں ابو الفضل نے شیخ ابو الواجد فارغی (جو شیخ زین کے ماموں تھے)
سلطان محمد کوسہ، سرخ وداعی اور ملا بقائی کا ذکر کیا ہے۔

لیکن عہد بابری کے فاضل حکمت مآب میر ابو البقا تھے۔ چنانچہ ابو الفضل ان کے بارے
میں لکھتا ہے:

"و از اجلۂ اہل صحبت و ارباب قرب و اصحاب کمال...... یکے میر ابو البقاست کہ در علوم و
حکمت پایۂ بلند داشت۔" (اکبر نامہ جلد اول صفحہ ۱۱۹)

انھوں نے میر سید شریف کی مختلف کتابوں کی جو اکثر معقولات میں ہیں، فارسی زبان میں شرح بھی لکھی تھی، چنانچہ بدایونی
ایک مقام پر آن کے تعارف میں لکھتا ہے:

"میر ابو البقا کہ از فحول علماء زمان و شارح فارسی میر سید شریف وصاحب دیگر تصانیف بود۔"

میر ابو البقا نے ۹۴۸ھ میں بھکر کے قریب شہادت پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر مملکت ہندوستان کو چھوڑنے اور ایران کے اندر شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں پناہ لینے کے لئے سندھ کے قریب سے گذر رہا تھا۔ یہاں یادگار ناصر مرزا ہمایوں کے ساتھ وفا اور بیوفائی کے درمیان تذبذب میں تھا جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے میر ابو البقا کو اُسے سمجھانے بجھانے کے لئے بھیجا سہ شنبہ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۹۴۸ھ میر ابو البقا پیغام سلطانی پہونچا کر اگلے دن واپس ہوئے بد گہر اہل قلعہ نے بیوفائی کی اور تیر برسا کر میر ابو البقا کو زخمی کر دیا۔ ان زخموں کی تاب نہ لا کر اُنھوں نے اگلے دن وفات پائی۔ ابو الفضل لکھتا ہے:

"روز چہار شنبہ میر خدمت رسالت بتقدیم رسانیدہ مراجعت نمود۔ مردم قلعہ بکر از رفتن میر واقف شدہ جمعے را بر سرکشی فرستادند و بر میر تیر باراں کردند۔ زخمے چند کاری بمیر رسید۔ رعد دیگر ازیں عالم فانی بملک بقا پیوست۔" (اکبر نامہ جلد اول صفحہ ۱۷۴)

ہمایوں کو اس خبر وحشت اثر سے حد درجہ صدمہ ہوا۔ وہ کہتا تھا کہ سلطنت ہندوستان کے کھونے اور اعزہ و احباب کی بیوفائی کا صدمہ ایک طرف اور میر ابو البقا کی شہادت کا صدمہ ایک طرف، بلکہ موخر الذکر اول الذکر سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ ابو الفضل آگے چل کر لکھتا ہے:

"حضرت جہانبانی را ازیں واقعہ غم اندوز رقت تمام روئے داد و تاسف عظیم فرمودند و بر زبان حقائق ترجمان آنحضرت گزشت کہ از مخالفتہا و سرکشیہائے برادراں و حق ناشناسی نمک پروردہا و بدمددی یاراں و دوستاں کہ ملک ہندوستاں از دست بیروں رفت و چندیں کلفتہا روئے نمود، ہمہ یک طرف و واقعہ میر یک طرف، بلکہ ہنوز آں حوادث طرف ایں نمی تواند شد۔ والحق بزرگی میر ہمیں قدر بود کہ از روئے قدر شناسی فرمودند۔" (اکبر نامہ جلد اول صفحہ ۱۷۴)

میر ابو البقا کی تاریخ شہادت "سرور کائنات" سے نکلتی ہے۔